بحث و نظر

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی

اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام کے مخالفین کی ایک کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو داغ دار کر دیں اور اسے انتہائی گھناؤنی شکل میں پیش کریں۔ یہ کوشش ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی جانب سے بھی کی جاتی رہی ہے اور نام نہاد ہندو پرچارکوں کی جانب سے بھی۔ ان لوگوں نے سیرتِ نبوی کے ازدواجی پہلو کو خاص طور سے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی کثرت کا سبب آپؐ کی خواہش نفسانی کا غلبہ تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بعض دیگر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ سطورِ ذیل میں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

ازواجِ مطہرات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج تھیں۔ ان میں سے دو (حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہؓ) کا انتقال آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہو گیا تھا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام زوجہ	حضورؐ کی زوجیت میں آنے سے قبل کس کے نکاح میں رہیں؟	نکاح کے وقت حضورؐ کی عمر
۱۔	حضرت خدیجہؓ	(۱) عتیق بن عائذ (۲) ابو ہالہ	۲۵ سال (حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال)
۲۔	حضرت سودہؓ	سکران بن عمرو بن عبدودؓ	۵۰ سال

۳۔	حضرت عائشہؓ	×	۵۳ سال (بوقت رخصتی حضرت عائشہؓ)
۴۔	حضرت حفصہؓ	خُنیس بن حذافہ سلمیؓ	۵۵ سال
۵۔	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	(۱) طفیل بن حارث بن عبدالمطلبؓ (۲) عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ (۳) عبداللہ بن جحشؓ	۵۵ سال
۶۔	حضرت ام سلمہؓ	عبداللہ بن عبدالاسد (ابوسلمہؓ)	۵۶ سال
۷۔	حضرت زینبؓ بنت جحش	زید بن حارثہؓ	۵۷ سال
۸۔	حضرت جویریہؓ	مسافع بن صفوان	۵۷ سال
۹۔	حضرت ام حبیبہؓ	عبیداللہ بن جحش	۵۸ سال
۱۰۔	حضرت صفیہؓ	(۱) سلاّم بن مشکم قرظی (۲) کنانہ بن ابی حقیق	۵۹ سال
۱۱۔	حضرت میمونہؓ	(۱) مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفیؓ/حویطب بن عبدالعزیٰ (۲) ابورہم بن عبدالعزیٰؓ	۵۹ سال

حضورؐ کی ازدواجی زندگی پر ایک نظر

گزشتہ تفصیل سے چند باتیں بہت ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس۲۵ سال کا عرصہ تجرّد اور عفت و پاک بازی سے گزارا

(۲) پچیس۲۵ سال کی عمر میں ایک ایسی خاتون (حضرت خدیجہؓ) سے نکاح کیا جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ آپ سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں کی بیوی رہ چکی تھیں اور صاحبِ اولاد تھیں۔

(۳) پچاس۵۰ سال کی عمر تک (یعنی پورے پچیس۲۵ سال) اسی ایک رفیقۂ حیات پر قانع رہے اور کسی دوسری خاتون سے نکاح کی خواہش تک کا اظہار کبھی نہیں ہوا۔

(۴) حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد، اپنی عمر کے پچاسویں سال جس خاتون (حضرت سودہؓ) سے نکاح کیا وہ آپ کی ہم سن اور بیوہ تھیں۔

(۵) بقیہ نو ازواجِ مطہرات سے آپؐ کا نکاح ترپنؐ سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر کے درمیانی عرصہ میں ہوا۔ یہ ساری خواتین (سوائے ایک حضرت عائشہؓ کے) ایک، دو یا تین شوہروں کی بیویاں رہ چکی تھیں۔

(۶) اپنی عمر کے آخری تین سالوں میں جب کہ جزیرۃ العرب کے بڑے حصے پر آپ کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔

درج بالا تفصیلات معترضین کے اس اعتراض کی جڑ کاٹ دیتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازواج کا سبب خواہشِ نفسانی کا غلبہ تھا۔ کیا یہ الزام اس شخص پر لگایا جاسکتا ہے جس نے اپنی جوانی کے ایام صرف ایک خاتون کی رفاقت میں گزارے ہوں اور وہ بھی ایسی جو عمر میں اس سے پندرہ سال بڑی ہو اور اس سے پہلے دو شوہروں کی بیوی رہ چکی ہو!؟

اس مسئلہ پر دو اور پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ اگر آپؐ پر خواہشِ نفسانی کا غلبہ تھا تو اس کی تکمیل کا بہترین موقع وہ تھا جب دعویٰ نبوت کے پانچویں چھٹے سال آپ کے مخالفین آپ کی دعوت کو روکنے میں پورا زور لگا رہے تھے اور آپ کے سامنے پیش کش کر رہے تھے کہ اگر تمہاری اس دعوت کا کوئی دنیاوی مقصد ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، تمہارے قدموں میں مال و دولت کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور عرب کی حسین ترین عورت سے تمہارا نکاح کیے دیتے ہیں، لیکن آپؐ نے ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا[۱] اس وقت آپ کے نکاح میں پچپنؐ سال کی ایک بوڑھی خاتون (حضرت خدیجہؓ) تھیں۔

دوسرے یہ کہ حضور کے زمانے میں آپؐ کے مخالفین نے آپؐ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، شاعر کہا، ساحر کہا، مجنون اور سحر زدہ کہا، خواہشِ اقتدار کا طعنہ دیا اور دوسرے الزامات عائد کیے مگر آپ کے کٹر سے کٹر دشمن کو بھی آپ پر نفسانی ہوس کا الزام لگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اگر انھوں نے آپ کی ذات میں اس کا ادنیٰ سا بھی شائبہ محسوس کیا ہوتا تو آپ کے خلاف پروپیگنڈا کا ان کے ہاتھ اس سے بہتر حربہ اور کوئی نہ آسکتا تھا۔

---

[۱] جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابن جریر طبری، المطبعۃ المیمنیہ مصر جز ۳۰ ص ۱۸۷ (عن ابن عباس)

کثرتِ ازواج معیوب نہیں تھی

قدیم زمانے میں کثرتِ ازواج معیوب نہیں تھی مختلف پیغمبروں کی ایک سے زیادہ ازواج ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح مختلف قوموں کے برگزیدہ اور سر برآوردہ لوگ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے مثلاً:

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ سارہ، ہاجرہ اور قتورہ (پیدائش ۱۶: ۲۴، ۱۸: ۱۵، ۲۵: ۱)

حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ لیاہ، زلفہ، زاخل اور بلہاہ (پیدائش ۲۹: ۲۳، ۲۴، ۲۸، ۲۹)

حضرت موسیٰؑ کی چار بیویاں تھیں۔ صفورہ، حبشیہ، قینی اور بنت حباب (خروج: ۲: ۲۱، قاضیوں ۱: ۱۶، ۴: ۱۶)

حضرت داؤدؑ کی نو بیویوں کا نام ملتا ہے۔ (سموئیل اول ۱۸: ۲۷، سموئیل دوم ۳: ۲-۵، ۵: ۱۳، ۱۱: ۲۶)

حضرت سلیمانؑ کی سات سو بیویوں اور تین سو حرموں کا تذکرہ ملتا ہے (سلاطین اول ۱۱: ۳)

راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں۔ پٹ رانی کوشلیہ، رانی سمترا اور رانی کیکئی۔
کرشن جی کی لاتعداد گوپیوں کے علاوہ ان کی رانیوں کی تعداد اٹھارہ تھی۔
راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں[1]

عہدِ جاہلیت میں بھی بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ لوگ جتنی عورتوں سے چاہتے نکاح کر لیتے تھے۔ قبیلہ ثقیف کے ایک رئیس غیلان بن سلمہ نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت اس کے نکاح میں دس عورتیں تھیں[2]۔ حارث بن قیس بن عمیرۃ الاسدی کے نکاح

---

[1] رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۲/۱۴۸-۱۵۲

[2] جامع ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ۔

میں آٹھ عورتیں تھیں[1]۔ نوفل بن معاویہ الدیلی کے یہاں پانچ عورتیں تھیں[2]۔ مورخ ابن حبیب نے قبیلۂ ثقیف کے ایسے متعدد افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کے نکاح میں بعثتِ نبوی کے وقت دس دس عورتیں تھیں[3]۔

قرآن نے چار کی حد مقرر کی

قرآن نے مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی اور اس کو بھی عدل کی شرط سے مشروط کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ	تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں
النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ	سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرو
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً	لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل
(النساء: ۳)	نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔

چنانچہ جن لوگوں کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ ان میں سے جن چار کو چاہیں بیوی کی حیثیت سے باقی رکھیں بقیہ کو طلاق دے دیں[4]۔

نبیؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا

آیتِ بالا کے نزول کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی چار ازواجِ مطہرات (حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ) تھیں۔ (حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ کا انتقال ہوچکا تھا) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا اور آپ کو چار سے زیادہ خواتین سے نکاح کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب النکاح باب من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع، سنن ابن ماجہ، حوالہ سابق

[2] تفسیر کبیر رازی، المطبعۃ العامرہ، مصر ۲/۱۳۲، تفسیر ابن کثیر المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱/۴۵۱ بحوالہ مسند امام شافعی

[3] المحبّر، محمد بن حبیب بغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۴۲ء ص ۳۵۷

[4] جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، المحبّر حوالہ سابق۔

آپ نے جب پانچویں خاتون (حضرت زینب بنت جحشؓ) سے نکاح کیا اس وقت قدرتی طور پر بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھا ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسروں کے لیے بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ناجائز قرار دیتے ہیں تو خود یہ پانچواں نکاح کیسے کر لیا۔ ممکن ہے بعض مخالفوں نے اس کو بنیاد بنا کر فتنہ پھیلانے کی کوشش کی ہو۔ اس موقع پر قرآن نے صراحت کی کہ تعدّد ازواج کی اس تحدید سے آپ مستثنیٰ ہیں۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ	اے نبی ہم نے تمہارے لیے حلال
اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ	کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم
وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّا اَفَاءَ	نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ
اللّٰہُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ	کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت
وَبَنَاتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ	میں آئیں اور تمہاری وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد
خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ	اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے
الّٰتِیْ ھَاجَرْنَ مَعَکَ وَ	تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن
امْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ	عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے
نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ	ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔
اَنْ یَّسْتَنْکِحَھَا خَالِصَۃً لَّکَ	یہ رعایت خاص تمہارے لیے ہے۔ دوسرے
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَدْ	مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے
عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْھِمْ	کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں
فِیْ اَزْوَاجِھِمْ وَمَا مَلَکَتْ	کے بارے میں کیا حدود عائد کیے ہیں۔
اَیْمَانُھُمْ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ	(تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے
حَرَجٌ وَّکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا	مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی
(الاحزاب: ۵۰)	نہ رہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تعدّدِ ازواج کے سلسلے میں عام قاعدے سے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ (خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ کہ "آپ کے اوپر کوئی تنگی نہ رہے"

(لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ) "تنگی" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ کی خواہشاتِ نفس بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں، ان کی تکمیل کے لیے آپ کو چار کی قید سے آزاد رکھا گیا اور اجازت دی گئی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کریں تاکہ چار بیویوں تک محدود رہنے میں آپ تنگی محسوس نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کی جو عظیم ذمہ داری عائد کی تھی اور جس ماحول میں آپ اسے سرانجام دے رہے تھے یہ دونوں چیزیں جس شخص کی نظر میں ہوں وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عام قاعدے سے آپ کو مستثنیٰ رکھنا کیوں ضروری تھا؟ اور چار کی قید میں آپ کے لیے کیا "تنگی" تھی؟

کثرتِ ازواج کے مصالح

ان تفصیلات سے اس اعتراض کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازواج کا سبب آپؐ کی بڑھی ہوئی نفسانی خواہش تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کے کیا مصالح تھے؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں غور کرنے سے درج ذیل مصالح سامنے آتے ہیں:

الف: اصحاب کی دل جوئی

دین کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں بعض صحابہ اور صحابیات نے غیر معمولی قربانیاں دی تھیں اور ان کی نصرت اور تعاون سے آپ کو بہت سہارا ملا تھا۔ آپؐ نے ان کی دل جوئی کرنے، ان کی رفاقت کو پختہ تر کرنے اور ان کی قدر افزائی کے لیے بعض نکاح کیے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے قریب ترین اصحاب تھے۔ آپؐ نے ان کی دل جوئی اور قدر دانی کے لیے ان کی صاحب زادیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہؓ ابتدائی عہد میں اسلام قبول کرنے اور حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے سخت آزمائشیں جھیلی تھیں۔ ان کی سبقتِ اسلام، ہجرتِ حبشہ اور قربانیوں کا لحاظ کرتے ہوئے حضور نے ان سے نکاح کیا۔ اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور

حضور کی عمر بھی اتنی ہی تھی۔ ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ ایک پچاس سالہ بیوہ سے نکاح میں جنسی محرک کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے تیسرے شوہر عبداللہ بن جحشؓ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو آپؐ نے قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے اور غزوۂ احد میں بڑی تعداد میں صحابہ کے شہید ہو جانے سے پیدا ہونے والی سماجی پیچیدگی کو دور کرنے کے لیے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہؓ حضورؐ کے رضاعی بھائی اور السابقون الاولون میں سے تھے۔ انھوں نے حبشہ ہجرت کی تھی، پھر وہاں سے واپس آکر ہجرتِ مدینہ کا شرف بھی حاصل کیا تھا اور اس میں اپنی بیوی اور بچے سے طویل عرصہ تک جدائی بھی برداشت کی تھی۔ انھوں نے غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے بعد وفات پائی، اس وقت ان کے چار بچے تھے۔ حضور نے زوجین کی بے مثال قربانیوں کی قدر افزائی اور بچوں کی کفالت کے مقصد سے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا۔ اسی طرح حضرت زینب بنتِ جحشؓ سے آپؐ نے ان کی دل شکنی اور ذہنی اذیت کی تلافی کے لیے نکاح کیا تھا (نکاحِ زینب کے دیگر مصالح پر بحث آگے آئے گی)

ب۔ دین کی توسیع اور استحکام

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس زمانے میں عرب میں قبائلی نظام بڑا مستحکم تھا۔ اپنے کسی فرد کی حمایت میں عموماً پورا قبیلہ متحد ہو جاتا تھا۔ کفار نے جب آپؐ کا معاشی بائیکاٹ کیا تو پورے بنو ہاشم نے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج الگ الگ قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

۱۔ حضرت خدیجہؓ	بنو عُزّیٰ
۲۔ حضرت سودہؓ	بنو عامر
۳۔ حضرت عائشہؓ	بنو تیم
۴۔ حضرت حفصہؓ	بنو عدی
۵۔ حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ	بنو ہلال
۶۔ حضرت ام سلمہؓ	بنو مخزوم

۷۔ حضرت زینب بنت جحشؓ بنواسد
۸۔ حضرت جویریہؓ بنومصطلق
۹۔ حضرت صفیہؓ بنوہارون
۱۰۔ حضرت ام حبیبہؓ بنوامیہ
۱۱۔ حضرت میمونہؓ بنوعیلان

مختلف قبائل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ان قبائل سے قربت پیدا ہوئی، انھوں نے سنجیدگی سے اسلام کے بارے میں غور کیا اور اسے قبول کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اس طرح مختصر مدت میں دین کی توسیع اور استحکام کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

ج۔ عداوتوں کا خاتمہ

ان نکاحوں سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جن قبائل اور خاندانوں سے آپؐ کے سسرالی رشتے قائم ہوئے انھوں نے اپنی عداوتیں ختم کردیں اور آپؐ کے خلاف ان کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑگئیں۔

حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر موقع پر لشکر کی قیادت کی تھی لیکن ان سے آپؐ کے نکاح کے بعد ان کے باپ کی مخالفت کم زور پڑگئی اور وہ پھر کبھی آپؐ کے مقابلے پر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ اور ان کے دونوں فرزند حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؓ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ حضرت جویریہؓ قبیلۂ بنومصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں، ان سے نکاح کے بعد ان کا پورا قبیلہ رہزنی سے تائب ہوکر مسلمان ہوگیا۔ حضرت صفیہؓ کا تعلق یہود کے اس قبیلے سے تھا جس کا سلسلۂ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ ان کے امہات المومنین میں شامل ہونے سے یہود کی سازشوں کو کم کرنے میں مدد ملی۔

د۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم مقصد کو لے کر مبعوث ہوئے تھے اس کے لیے

صرف مردوں کی تعلیم وتربیت کافی نہیں تھی بلکہ عورتوں کی تعلیم وتربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی۔ لیکن چونکہ اسلامی معاشرت میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ممنوع تھا اس لیے عورتوں کی براہِ راست تعلیم وتربیت کے لیے زیادہ وقت فارغ کرنا آپؐ کے لیے ممکن نہ تھا۔ دوسرے، بہت سے نسوانی مسائل ایسے ہیں جن کو علی الاعلان یا عورتوں کے سامنے کھول کر بیان کرنے میں حیا مانع ہوتی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ کنواری پردہ نشین سے زیادہ حیادار تھے[۱] اس بنا پر عورتوں کی تعلیم وتربیت کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ مختلف خواتین سے نکاح کرکے ان کی براہ راست تعلیم وتربیت کریں اور انھیں دوسری عورتوں کو دین سکھانے کے لیے تیار کریں۔ نسوانی مسائل کی بہت سی گتھیوں کو سلجھانے میں ازواجِ مطہرات کا غیر معمولی کردار ہے۔ انھوں نے وہ مسائل خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے دوسری صحابیات کو بتائے، یا صحابیات ان کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کرتی تھیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرکے انھیں جواب دیتی تھیں۔

مخصوص مسائل سے ہٹ کر بھی بہت سی تعلیمات اور احکام کا علم امت کو ازواجِ مطہرات ہی کے واسطے سے ہوا ہے۔ وہ خلوت گاہِ نبوت کی راز دار تھیں۔ انھیں بہت سی ان باتوں کی خبر رہتی تھی جو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھیں۔ دین کی بہت سی تعلیمات انھوں نے خود رسول اللہ سے دریافت کرکے حاصل کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انھیں مستفید فرماتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کی معتدبہ تعداد ایسی ہے جو ہم تک صرف ازواجِ مطہرات کے ذریعے سے پہنچی ہے۔

۵۔ حسنِ معاشرت کا اعلیٰ نمونہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواجی زندگی کے ذریعے حسنِ معاشرت کا

۱؎ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح مسلم کتاب الفضائل۔

اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ کی ازواج مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی عمریں بھی متفاوت تھیں اور ان کے مزاجوں میں بھی فرق تھا۔ ان میں ایک کنواری تھی اور ایک مطلقہ۔ ان میں ایک ایک شوہر کی بیوائیں بھی تھیں، دو دو شوہروں کی بیوائیں بھی اور تین شوہروں کی بیوہ بھی۔ لیکن ان کے درمیان پوری زندگی میں باہمی تلخی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے تعلقات آپس میں بھی ہمیشہ خوش گوار رہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات بھی مثالی رہے۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ اس شخص کے لیے بھی زندہ نمونہ ہے جس کا نکاح اپنے سے بڑی اور پختہ عمر کی عورت کے ساتھ ہوا ہو کہ اس کے ساتھ کیسی خوش گوار ازدواجی زندگی گزاری جا سکتی ہے اور اس شخص کے لیے بھی جس کی بیوی نوعمر ہو کہ کس طرح اس کی دل داری کی جاتی ہے۔ آپ کی زندگی ہر شخص کے لیے اسوہ ہے خواہ اس کا نکاح کنواری سے ہوا ہو یا مطلقہ سے، کسی صاحبِ اولاد بیوہ سے ہوا ہو یا بے اولاد بیوہ سے۔ آپؐ کی کثرتِ ازواج کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اس طرح مختلف پہلوؤں سے آپ کا اسوہ نمایاں ہو اور ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اس سے رہنمائی حاصل کر سکے۔

حضورؐ پر عائد بعض پابندیاں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ بیویوں کے سلسلے میں چار کی قید سے آزاد رکھا گیا تھا لیکن آپ پر بعض پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ یہ پابندیاں ایسی تھیں جن سے آپؐ کی امت آزاد تھی۔ مثلاً:

۱۔ ہر مسلمان کے لیے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے بلا کسی قید کے نکاح جائز ہے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان میں سے صرف انھی سے نکاح جائز قرار دیا گیا جنھوں نے مدینہ ہجرت کی ہو۔ ارشاد ہے:

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ (الاحزاب: ۵۰)	اور (اے نبی ہم نے تمہارے لیے حلال کردیں) تمہاری وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے۔

چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب چچا جناب ابو طالب کی بیٹی امّ ہانیؓ سے نکاح کے خواہش مند تھے مگر یہ اس لیے ممکن نہ ہو سکا کیونکہ انھوں نے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی اور وہ "طلقاء" (فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں) میں سے تھیں[1]

۲۔ سورہ احزاب کی آیت ۵۰ میں عورتوں کی چند اصناف (جن سے حضورؐ کا نکاح حلال تھا) کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْۢ بَعْدُ (الاحزاب ـ ۵۲) — ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال نہیں ہیں

یعنی مذکورہ اصناف کی خواتین کے علاوہ دوسری تمام عورتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام کر دی گئی تھیں۔

۳۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھ سکتا ہے لیکن وہ قانوناً ان سب کو یا ان میں سے بعض کو طلاق دے کر ان کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ (الاحزاب : ۵۲) — اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ان پابندیوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ازواج کے معاملے میں آپ کو چار کی قید سے آزاد رکھا گیا تھا لیکن آپ پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں وہ ایسی تھیں کہ نکاح اور طلاق دونوں معاملات میں آپ مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پابند تھے۔

ازواجِ مطہرات کو دوسرے نکاح کا حق کیوں نہیں دیا گیا؟

اس سلسلے میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

[1] جامع ترمذی۔ ابواب التفسیر، سورۂ احزاب، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۹۹

کے بعد ازواجِ مطہرات کو دوسرا نکاح کرنے کا حق کیوں نہیں دیا گیا؟ اسلام میں غیر شادی شدہ (کنواری) مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے نکاح پر زور دیا گیا ہے پھر حضور کی بیواؤں سے یہ حق کیوں سلب کر لیا گیا؟

یہ اعتراض دین کی حقیقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی حیثیت اور مقام و مرتبہ سے ناواقفیت کے نتیجے میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی تھوڑی سی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہلِ بیت کی حیثیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو راہِ حق دکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ ان کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے اور ان کے لیے ماں باپ سے بڑھ کر شفیق و رحیم تھے۔ اس لیے آپ کا حق بھی مسلمانوں پر دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہے۔ ان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ آپؐ کو اپنے ماں باپ، اولاد، رشتہ داروں اور تمام انسانوں سے زیادہ عزیز رکھیں اور ان کے دلوں میں آپ کی محبت دنیا کی ہر شئے سے بڑھ کر ہو۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے:

لا یؤمن احدکم حتی	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک
اکون احب الیہ من	مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس
والدہ وولدہ والناس	کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور
اجمعین [1]	تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ان پر لازم ہے کہ آپ کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں اور آپ کے کسی حکم اور فیصلہ کے سامنے ان کے لیے کسی چوں چرا کی گنجائش نہ ہو۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت
اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا	کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان۔ باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

أَمْرِهِمْ — اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ (الاحزاب - ۳۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس غایت درجہ محبت اور انتہائی عظمت کا فطری تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے لیے بھی ویسے ہی جذبات ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی بنا پر ان کے لیے ویسا ہی احترام، عظمت اور عقیدت ہو جیسا شریف بیٹوں کا اپنی ماؤں کے لیے ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدرجہا زیادہ ہونا چاہیے۔ اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب - ۶) — بلاشبہ نبی تو اہلِ ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

ازواجِ مطہرات کے سلسلے میں اس درجہ احترام اور عقیدت ہوتے ہوئے کوئی مسلمان ان سے نکاح کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس تصور کو وہ اپنی ماں سے نکاح کے تصور سے زیادہ شرم انگیز محسوس کرے گا۔ اسی فطری تقاضے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کی حرمت کی صراحت کردی گئی ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (الاحزاب-۵۳) — تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

ازواجِ نبی امّت کی معلّمات ہیں

اس پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ازواجِ مطہرات پر دین کے معاملے میں دوہری ذمہ داری عائد تھی۔ ایک طرف تو ان پر لازم تھا کہ وہ دنیا کی چند روزہ زندگی پر فریفتہ ہونے کے بجائے آخرت کی ابدی زندگی کو ترجیح دیں، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی طالب ہوں، ان کی اطاعت کریں اور نیک عمل کریں۔ دوسری طرف ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی گئی تھی کہ ان کے گھروں میں اللہ کی جو آیات سنائی جاتی ہیں

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کی جو باتیں ارشاد فرماتے ہیں انھیں دوسروں تک پہنچائیں، آپؐ کی اندرونِ خانہ زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ رکھیں اور اس سے دوسروں کو باخبر کریں۔ سورۂ احزاب میں ازواجِ مطہرات کی ان دونوں ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری ذمہ داری کے تعلق سے فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔

(الاحزاب: ۳۴)

ازواجِ مطہرات نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا۔ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی زندگیاں دین کی تعلیم وتبلیغ کے لیے وقف کر دیں۔ وہ جہاں بھی رہیں لوگوں کو فیض پہنچاتی رہیں۔ بہت سے مسائل جن کا حل بتانے سے فقہائے صحابہ بھی قاصر رہتے تھے، ازواجِ مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے بآسانی انھیں حل کر دیتی تھیں۔ ان کا یہ فیض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد طویل عرصہ تک جاری رہا۔ اس کا اندازہ درج ذیل جدول سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

جدول ۲

نمبر شمار	نام ام المومنین	حضورؐ سے نکاح کا زمانہ	مدتِ رفاقت	سنہ وفات	حضورؐ کی وفات کے بعد کتنے سال زندہ رہیں؟
۱۔	حضرت سودہؓ	سنہ ۱۰ بعثت	۱۴ سال	سنہ ۲۳ھ [1]	۱۲ سال
۲۔	حضرت عائشہؓ	سنہ ۱۰ بعثت (رخصتی شوال سنہ ۱ھ)	۹ سال	سنہ ۵۷ھ	۴۶ سال
۳۔	حضرت حفصہؓ	سنہ ۳ھ	۸ سال	سنہ ۴۵ھ	۳۴ سال
۴۔	حضرت ام سلمہؓ	سنہ ۴ھ	۷ سال	سنہ ۶۱ھ	۵۰ سال
۵۔	حضرت زینب بنت جحشؓ	سنہ ۵ھ	۶ سال	سنہ ۲۰ھ	۹ سال
۶۔	حضرت جویریہؓ	سنہ ۵ھ	۶ سال	سنہ ۵۲ھ	۴۲ سال

[1] حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ سوانح نگاروں نے مختلف سنین مثلاً سنہ ۱۹ھ، سنہ ۲۳ھ، سنہ ۵۴ھ، سنہ ۵۵ھ بیان کیے ہیں۔

۷۔	حضرت ام حبیبہؓ	۶ھ	۵ سال	۴۴ھ[1]	۴۸ سال
۸۔	حضرت صفیہؓ	۷ھ	۳½ سال	۵۰ھ	۳۹ سال
۹۔	حضرت میمونہؓ	۷ھ	۳¼ سال	۵۱ھ	۴۰ سال

اس طویل عرصہ میں صحابہ اور تابعین نے بہت بڑی تعداد میں ازواجِ مطہرات سے کسبِ فیض کیا اور انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ان کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے رہتے تھے اور جو شخص بھی چاہتا بلا روک ٹوک ان سے استفادہ کرسکتا تھا۔ اس منصب کا تقاضا تھا کہ انھیں ماؤں ہی کے درجے میں رکھا جائے اور انھیں یہی حیثیت دی جائے۔ کیونکہ اسی حیثیت میں وہ اس فریضۂ منصبی کو زیادہ اچھی طرح ادا کرسکتی تھیں۔ اگر انھیں اس درجہ سے گرا دیا جاتا اور کوئی اور حیثیت دے دی جاتی تو وہ اپنے وقار کو قائم نہیں رکھ سکتی تھیں اور دوسرے بھی ان سے اس طرح استفادہ نہ کرپاتے جس طرح معلّماتِ امت سے کرنا چاہیے۔

آزاد بیویوں کی موجودگی میں باندیاں کیوں رکھیں؟

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد بیویوں کے رہتے ہوئے باندیوں کو اپنے مِلکِ یمین میں کیوں رکھا؟ اس اعتراض کا محرّک یہ ہے کہ باندیوں کو سماج میں آزاد عورتوں کے مقابلے میں کم تر حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے آزاد بیویوں کے رہتے ہوئے ان سے تمتّع کرنے کا مقصد بڑھی ہوئی جنسی خواہش کی تسکین کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ گزشتہ صفحات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہے وہ اس کی قطعی تردید کے لیے کافی ہے۔

اسلام نے غلامی کے رواج کو سخت ناپسند کیا ہے لیکن اس کے یکلخت خاتمہ کے بجائے اس نے دیگر احکام کی طرح اس میں بھی تدریج ملحوظ رکھی ہے۔ اسلام نے غلاموں کو عام انسانی حقوق عطا کیے ہیں۔ غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی

---

[1] حضرت ام حبیبہؓ کا سنہ وفات باختلاف روایات ۴۴ھ، ۵۰ھ، ۵۵ھ، ۵۹ھ ہے۔

ہے بلکہ بہت سی صورتوں میں اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سیاسی مصالح کی بنا پر غلامی کا وجود برداشت کیا ہے۔ اس زمانے میں ہونے والی جنگوں میں جو مرد اور عورتیں گرفتار کی جاتی تھیں انھیں غلام اور باندیاں بنالیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرف کو باقی رکھا۔ اس زمانے میں مسلمان ایسے ہنگامی حالات سے گزر رہے تھے کہ ان کے پاس ایسے قید خانے نہیں تھے جہاں جنگی قیدیوں کو رکھا جا سکے اور ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سرکاری انتظام کیا جا سکے۔ اس لیے مناسب خیال کیا گیا کہ قیدی مردوں اور عورتوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کے بنیادی حقوق کی نگہداشت کرنے اور ان کا پورا خیال رکھنے کی تاکید کر دی جائے۔

بعض جنگوں میں قید ہو کر آنے والی بعض خواتین سردارانِ قبائل کے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے مقام و مرتبہ کا خیال کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود یا بعض صحابہ کے مشورے سے انھیں اپنے لیے خاص کر لیا۔ ایسا کرنے سے ان قبائل کی عداوتیں ختم ہو گئیں اور وہ پھر کبھی مقابلہ پر نہیں آئے۔ غزوۂ بنو مصطلق (۵ھ) کے قیدیوں میں سردارِ قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برّہ (جویریہؓ) بھی تھیں۔ مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو وہ حضرت ثابت بن قیسؓ یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ برّہ نے ان سے یہ معاملہ طے کر لیا کہ وہ کچھ مال لے کر انھیں آزاد کر دیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اتنا مال فراہم کر کے انھیں آزاد کروا دیں۔ آپؐ نے مطلوبہ رقم اپنی طرف سے ادا کر دی اور انھیں ان کی مرضی سے اپنی زوجیت میں لے لیا۔[۱] اسی طرح غزوۂ خیبر (۷ھ) کے اسیران میں یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی زینب (صفیہؓ) تھیں۔ مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کی تقسیم کے وقت وہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئیں۔ بعض صحابہ نے متوجہ کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ بنو نضیر کے ایک معزز سردار کی بیٹی ہیں، یہ صرف آپ کے لیے موزوں ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کو ایک دوسری

۱۔ سیرۃ النبی۔ ابن ہشام، المکتبۃ التجاریۃ الکبری قاہرہ ۱۹۳۷ ۳۳۹/۳

باندی دے کر صفیہؓ کو واپس لے لیا اور انھیں آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا[1]

ایسا ہی معاملہ حضرت ریحانہ بنتِ شمعونؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ بنو قریظہ کے سردار شمعون بن زید کی بیٹی تھیں۔ اس قبیلہ کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کے خلاف فوج کشی کی اور اسے شکست دے کر مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ اسیرانِ جنگ میں حضرت ریحانہ بھی تھیں۔ انھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا اور آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ سردارِ قبیلہ کی بیٹی ہیں۔ آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا مگر انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا انکار پسند نہیں آیا۔ لیکن جلد ہی آپ کو ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ملی جس سے آپ کو خوشی ہوئی۔ آپؐ نے ان کے سامنے پیش کش کی کہ اگر ان کی مرضی ہو تو آپ ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیں۔ انھوں نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول مجھے اپنی مملوکہ ہی رہنے دیں۔ یہ میرے لیے آسان ہے اور آپ کو بھی اس میں سہولت ہوگی۔" چنانچہ آپؐ نے انھیں اسی حال میں رہنے دیا[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باندی حضرت ماریہؓ تھیں۔ صلح حدیبیہ (۶ھ) کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط روانہ کیے تو مصر کے عیسائی حکمراں مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو خط دے کر بھیجا تھا۔ مقوقس نے آپؐ کے سفیر اور مکتوب کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ کیا۔ اپنے جوابی خط کے ساتھ اس نے کچھ تحائف بھیجے جن میں دو لڑکیاں (ماریہ اور سیرین) بھی تھیں۔ اس نے اپنے خط میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ مصر میں ان لڑکیوں کو بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ (وبعثت الیک بجاریتین لہما مکان فی القبط عظیم)[3] گویا یہ شاہی کنیزیں تھیں جنھیں مقوقس نے خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سیرت ابن ہشام ۳/۳۸۱، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن اثیر الجزری، دار الشعب قاہرہ ۷/۱۶۹

[2] سیرت ابن ہشام ۳/۲۶۴ - ۲۶۵، الطبقات الکبری لابن سعد، دار صادر بیروت ۱۹۵۸ء ۸/۱۳۱۔
ابن سعد نے بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں صراحت ہے کہ حضورؐ نے حضرت ریحانہ کو آزاد کر کے انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ لیکن اکثر اصحابِ سیر نے انھیں مملوکہ قرار دیا ہے۔

[3] طبقات ابن سعد ۱/۲۶۰، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، د. محمد حمید اللہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر قاہرہ ۱۹۴۱ء

کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ دونوں سگی بہنیں تھیں۔ چونکہ اسلام میں دو سگی بہنیں ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتی تھیں اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ کو اپنے پاس رکھا اور سیرینؓ کو حضرت حسان بن ثابتؓ کو دے دیا۔

حضرت عائشہؓ کی کم سنی کی شادی پر اعتراضات

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی کم سنی کی شادی بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت سے حضرات اعتراض کرتے ہیں۔ جس زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اس وقت آپؐ کی عمر بچاس سال اور حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی۔ تین سال کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ معترضین کہتے ہیں کہ زوجین کی عمروں میں اتنا تفاوت نامناسب ہے۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اتنی کم سن لڑکی اس قابل نہیں ہوتی کہ اس سے جنسی تعلق قائم کیا جائے[1] حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں نو سال گزارے۔ اس طرح اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں اور اپنی عمر کے تقریباً ۴۶ سال بیوگی کی حالت میں گزارے۔ بعض لوگ یہ بھی اعتراض اٹھاتے ہیں کہ کسی ایسی لڑکی کو جو اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئی ہو آئندہ کسی سے نکاح کرنے کے حق سے محروم کردینا اس پر ظلمِ عظیم ہے۔

زوجین میں اصل باہمی موافقت ہے

زوجین کے درمیان عمروں میں زیادہ تفاوت کو اس لیے نامناسب خیال

---

[1] شاید ایسے ہی اعتراضات سے بچنے کے لیے بعض محققین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح سولہ سال کی عمر میں اور رخصتی انیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس نقطۂ نظر کی تردید کی ہے انھوں نے لکھا ہے: "حضرت عائشہؓ نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھیں اسلام کے پورے تاریخی سرمایہ میں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے۔" اس موضوع پر ان کا تحقیقی مقالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جنوری ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ مقالہ ان کی کتاب "سیرت عائشہؓ" کے پاکستانی ایڈیشن میں شامل کردیا گیا ہے۔ شائع کردہ مکتبہ اردو بازار لاہور ۳۱۳ – ۳۶۶

کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیز عموماً ان کے مابین خوش گوار ازدواجی تعلقات اور مزاجوں میں موافقت و ہم آہنگی میں حارج ہوتی ہے۔ لیکن خوش گوار معاشرت کے لیے ہم سنی ضروری نہیں ہے۔ ہندو مت کی کتابوں سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے منوسمرتی میں ہے۔

"تیس[۳۰] برس کی عمر کا لڑکا اور بارہ[۱۲] برس کی دختر کا وواہ کرے یا چوبیس[۲۴] برس کا لڑکا اور آٹھ برس کی لڑکی کا وواہ کرے"[۱]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواجی تعلقات حضرت عائشہؓ کے ساتھ انتہائی خوش گوار اور مثالی تھے۔ دونوں کے درمیان غایت درجہ محبت پائی جاتی تھی۔ عمروں میں تفاوت کے باوجود نو سالہ رفاقت میں ان کے درمیان ناموافقت اور بے اطمینانی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ حضرت عائشہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی بیوی تھیں۔ دوسروں کو بھی اس کا احساس تھا۔ اس معاملے میں آپ تک شکایت پہنچائی گئی تو آپؐ نے فرمایا: " لاتوذینی فی عائشۃ" (عائشہ کے معاملے میں مجھے دق نہ کرو)[۲] احادیث میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں کہ کس کس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو بھی حضور سے بہت محبت تھی۔ اس کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی محبت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی محبت کو گوارا نہیں کر سکتی تھیں[۳]

اسلامی نقطۂ نظر سے اگرچہ زوجین کا ہم سن ہونا پسندیدہ ہے[۴] لیکن اسے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ اس کے بجائے زوجین کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ عہدِ صحابہ میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ بعض اسباب سے عمروں کا فرق نظر انداز کرتے ہوئے کم سن لڑکیوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ کی صاحب زادی حضرت ام کلثومؓ سے ۱۷ھ میں

---

[۱] منوسمرتی باب ۹ اشلوک ۹۴ بحوالہ مقدس رسول، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری طبع دہلی ۱۹۶۰ء طبع سوم ص ۷۹

[۲] سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب الرجل بعض نسائہ اکثر من بعض

[۳] اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے۔ سیرتِ عائشہ، سید سلیمان ندوی، دار المصنفین شبلی منزل اعظم گڑھ، طبع دہم ۱۹۹۶ء

[۴] اس موضوع پر ملاحظہ کیجئے مولانا سلطان احمد اصلاحی کا رسالہ کم سنی کی شادی اور اسلام شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

نکاح کیا۔ اس وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر نوؐ دسؒ سال اور فاروق اعظمؓ کی عمر پچپن سال سے زائد تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے اس خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے جواب دیا "انہا صغیرۃ" (وہ تو ابھی کم سن ہے) لیکن جب حضرت عمرؓ نے واضح کیا کہ ان کا مقصد خاندانِ نبوت سے انتساب کا شرف حاصل کرنا ہے تو حضرت علیؓ تیار ہو گئے، ان سے حضرت عمرؓ کی دو اولادیں ہوئیں[1]۔

حضرت عائشہؓ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا مقصد جہاں ایک طرف اپنے قریبی رفیق اور جاں نثار حضرت ابوبکرؓ سے تعلقات کو مزید استحکام بخشنا تھا وہیں حضرت عائشہؓ کی ذاتی خصوصیات اور فطری صلاحیتیں بھی انھیں اس شرف کا مستحق ٹھہراتی تھیں۔

بلوغ کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی

یہ صحیح ہے کہ کم سن لڑکی کا نکاح اس وقت کرنا پسندیدہ ہے جب وہ اس قابل ہو جائے کہ اس سے مخصوص ازدواجی تعلق قائم کیا جا سکے۔ اس کا لحاظ نہ کرنے میں بہت سے نقصانات ہیں جن کا کم سن لڑکی اور مرد دونوں شکار ہوتے ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بلوغ کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ جسمانی نشوونما، غذائیت، ذہنی پرورش، خاندان، آب وہوا اور دیگر عوامل ہیں جو بلوغ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے کوئی لڑکی جلدی بالغ ہو جاتی ہے اور کوئی دیر میں۔ اس لیے بلوغ کی ایک عمر متعین کر کے اس سے کم عمر کی ہر لڑکی کو نابالغ سمجھ لینا صحیح نہیں۔

طبی تحقیقات اور آئے دن اخبارات کی زینت بننے والے واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چند ماہ قبل ٹائمز آف انڈیا نئی دہلی میں شائع شدہ ایک خبر کے مطابق برطانیہ کی ایک بارہ سالہ لڑکی کو "سب سے کم عمر ماں" (YOUNGEST MOTHER) اور ایک چوبیس سالہ خاتون کو "سب سے کم عمر دادی" (YOUNGEST GRAND MOTHER)

---

[1] اسد الغابہ: ۷/۳۸۷، مزید ملاحظہ کیجئے طبقات ابن سعد ۸/۴۶۳-۴۶۴ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبد البر، مکتبۃ نہضۃ مصر و مطبعتہا۔ الفجالۃ مصر ۴/۱۹۵۴-۱۹۵۶

کا خطاب مل چکا ہے۔

۱۹۹۰ء میں مغربی ترکی کے ایک قصبہ افیون میں ایک نو سالہ لڑکی نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کے ذریعہ اس بچے کی ولادت کرائی تاکہ دورانِ ولادت زچہ اور بچہ دونوں کی جانوں کو کوئی خطرہ نہ رہے[1]۔ ایک دوسری خبر کے مطابق ۱۹۹۳ء میں شمالی میکسیکو کی ایک آٹھ سالہ لڑکی نے نیشنل میڈیکل سینٹر آف ویسٹ ہاسپٹل گودالاجار (GUADALAJARA) میں ایک صحت مند بچے کو جنم دیا۔ اس کا وزن ۲٫۳ کلو تھا اور اس کی ولادت معمول کے نو ماہ کے حمل کے بعد ہوئی تھی[2]۔

عرب کی آب وہوا گرم ہے۔ وہاں کی عمر بلوغ کو سرد آب وہوا والے ممالک میں لڑکیوں کی عمر بلوغ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ ویسے بھی حضرت عائشہؓ کے سلسلے میں روایات میں آتا ہے کہ بچپن میں ان کی نشوونما بہت اچھی تھی اور وہ اپنی عمر سے زیادہ بڑی لگتی تھیں

حضرت عائشہؓ کا ایک قول ہے:

اذا ابلغت الجاریۃ تسع سنین فھی امرأۃ[3]	لڑکی نو سال کی ہو جائے تو وہ عورت ہو جاتی ہے۔

اس بیان کو اگر عرب میں عمر بلوغ کی حد کے طور پر نہ قبول کیا جائے تو کم از کم اسے حضرت عائشہؓ کی اپنی ذات کے بارے میں ضرور تسلیم کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ کی ذات سے امت کو حاصل ہونے والے فائدے

حضرت عائشہؓ اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں اور بقیہ عمر انھوں نے اسی حالت میں گزار دی۔ بظاہر یہ بڑا ظلم معلوم ہوتا ہے کہ ایک لڑکی جو عین عالمِ شباب میں بیوہ ہو گئی ہو اسے دوبارہ نکاح کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ لیکن وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ شبہ نہیں رہتا۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس نئی دہلی اور روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۵ر مارچ ۱۹۹۰ء

[2] روزنامہ ٹائمز آف انڈیا نئی دہلی اور روزنامہ قومی آواز نئی دہلی ۱۶ر جنوری ۱۹۹۳ء (مذکورہ دونوں حوالوں کی فراہمی کے لیے راقم سطور محترم مولانا سلطان احمد اصلاحی کا شکر گزار ہے)

[3] جامع ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی اکراہ الیتیمۃ علی التزویج۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کو دوسرے نکاح کا حق نہ دینے کی کیا حکمت تھی۔ حضرت عائشہؓ نے دین کی تعلیم واشاعت کی جو غیر معمولی خدمت انجام دی ہے وہ پوری امتِ مسلمہ پر ان کا عظیم احسان ہے۔ ان میں ذہانت و فطانت کے آثار بچپن سے نمایاں تھے۔ انھوں نے اسلام اور رسول اللہؐ کے جاں نثار اور علم انساب وشعر کے ماہر باپ کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ کم سنی ہی میں کاشانۂ نبوت میں پہنچ جانے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی فیضانِ صحبت نے ان کی فطری صلاحیتوں میں چار چاند لگا دیے تھے۔ ان کا حجرہ مسجد نبوی سے متصل ہونے کی وجہ سے روزانہ مسجد میں منعقد ہونے والی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وارشاد کی مجلسوں سے بھی استفادہ کرتی تھیں اور خود بھی جس مسئلہ میں ذرا سا اشکال محسوس کرتیں بلا تامل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا کرتی تھیں۔ آپؐ خود بھی ان کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت کی نگرانی فرماتے تھے اور جہاں کوئی بات شریعت سے غیر ہم آہنگ پاتے، تنبیہ فرمادیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علم اور احکامِ الٰہی کی معرفت میں جماعتِ صحابہ وصحابیات میں ممتاز نظر آتی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھیں مرجعیت کا مقام حاصل تھا۔ صحابہ وصحابیات اور دیگر مسلمان مرد اور خواتین اپنے مختلف مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تعلیم وارشاد کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور تشنگان علم دور دراز سے آکر ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے۔ محرم (جن سے پردہ نہ تھا) گھر کے اندر بیٹھ کر روبرو اور نامحرم مسجد نبوی میں بیٹھ کر پردہ کی اوٹ سے ان سے استفادہ کرتے تھے۔ تعلیم دین کا یہ سلسلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی تک جاری رہا۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کی ذات سے امت کو جو عظیم فائدہ پہنچا اس میں کوئی ان کا شریک نہیں۔

بالفرض اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عائشہؓ کو دوسرے نکاح کی اجازت نہ دے کر ان کی حق تلفی کی گئی تو امت کے اجتماعی مفاد کو دیکھتے ہوئے ایسی حق تلفی کو گوارا کیا جاسکتا ہے اور گوارا کیا گیا۔ کسی مشن کا استحکام، عروج اور توسیع اس سے وابستہ افراد سے قربانیوں کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کی راہ میں کسی ایک فرد کی قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

نکاحِ زینبؓ کا واقعہ

حیاتِ طیّبہ میں امّ المومنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ کا واقعہ بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کر دیا تھا لیکن نباہ نہ ہوسکا اور حضرت زیدؓ نے انھیں طلاق دے دی تو ان سے حضور نے خود نکاح کر لیا۔

اس سیدھے سادے واقعہ میں مخالفینِ اسلام نے خوب خوب رنگ آمیزی کی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ سطورِ ذیل میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا رہی ہے تاکہ حقیقت واضح ہوسکے۔

حضرت زیدؓ کون تھے؟

حضرت زیدؓ کا تعلق قبیلۂ کلب سے تھا۔ بچپن میں ایک مرتبہ ان کے قبیلے پر ڈاکو دشمنوں نے حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن لوگوں کو غلام بنا کر لے گئے ان میں زید بھی تھے۔ پھر انھوں نے انھیں عکاظ کے بازار میں بیچ دیا۔ حکیم بن حزام نے انھیں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو ہبہ کر دیا۔ پھر جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انھوں نے زید کو آپؐ کی نذر کر دیا۔ اس وقت حضرت زید کی عمر آٹھ سال تھی۔ حضور کے یہاں انھیں ایسی محبت ملی کہ وہ وہیں کے ہو کر رہ گئے اور بعد میں ایک موقع پر جب ان کے باپ اور چچا انھیں ڈھونڈتے ہوئے آ پہنچے اور حضور کی اجازت سے انھیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو انھوں نے انکار کر دیا اور آزادی پر حضور کی غلامی کو ترجیح دی۔ یہ دیکھ کر حضور نے انھیں آزاد کر دیا اور انھیں اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا۔ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے[1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دعویٔ نبوت سنتے ہی جن چار ہستیوں

---

[1] اسد الغابۃ ۲/۲۸۱

نے بغیر کسی ادنیٰ شک و تردّد کے فوراً اسے تسلیم کر لیا تھا، حضرت زیدؓ ان میں سے ایک تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظورِ نظر اور معتمدِ خاص تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کرائی تھی اس موقع پر آپؐ نے استثنائی صورت میں حضرت زیدؓ اور اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ (دونوں مہاجر) کو بھائی بھائی قرار دیا تھا۔[1] غزوۂ بدر سے قبل غزوۂ سفوان (غزوۂ بدر الاولیٰ) میں آں حضرت صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے تو ان ہی کو مدینہ کا عامل بنایا تھا۔[2] غزوہ بدر میں جب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے مسلمانوں کو فتحِ عظیم حاصل ہوئی تو اہلِ مدینہ کو اس کی خوشخبری دینے کے لیے آں حضرتؐ نے انہی کو بھیجا تھا۔[3] غزوۂ بدر کے بعد آں حضرتؐ نے اپنی صاحب زادی حضرت زینبؓ کو مکہ سے لانے کے لیے حضرت زیدؓ ہی کو مامور کیا تھا۔[4] متعدد مواقع پر آپؐ نے ان کی سربراہی میں سرایا روانہ کیے تھے۔[5] بلکہ حضرت عائشہؓ تو یہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو جس سریہ میں بھی بھیجا اس کی سربراہی انہی کے حوالے کی۔[6] آں حضرتؐ نے ان کا نکاح اپنی دایا حضرت ام ایمنؓ سے کر دیا تھا، ان سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے تھے۔[7]

حضرت زینبؓ کا حضرت زیدؓ سے نکاح اور علٰحدگی

حضرت زیدؓ کی عزت افزائی کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیں۔ حضرت زینبؓ کے عزیزوں کو یہ رشتہ پسند نہ تھا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کیا تو تیار ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔ آں حضرتؐ نے حضرت زیدؓ کی طرف سے مہر ادا کیا اور گھر بسانے کے لیے ضروری ساز و سامان بھی فراہم کیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۲/۱۲۴ — [2] حوالہ سابق ۲/۲۳۸
[3] حوالہ سابق ۲/۲۸۵ — [4] حوالہ سابق ۲/۲۹۷
[5] حوالہ سابق ۲/۲۲۹، ۴/۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۰، ۳۱۲
[6] اسد الغابہ ۲/۲۸۳ — [7] حوالہ سابق

حضرت زینبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں اس رشتہ کو منظور تو کرلیا تھا لیکن حسب ونسب میں اپنی برتری کے احساس کو وہ اپنے دل سے کسی طرح نہ مٹا سکی تھیں۔ عین ممکن ہے کہ منافقین کے برپا کردہ فتنہ انگیز ماحول میں ان کے اس احساس میں اضافہ ہوا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زوجین کے درمیان خوش گوار معاشرت قائم نہ رہ سکی۔ اور کشیدگی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک حضرت زیدؓ نے ارادہ کرلیا کہ طلاق دے کر اس قضیہ کا خاتمہ کردیں۔ چونکہ یہ نکاح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور ایما رسے ہوا تھا اس لیے انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو ان کے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے یہ نکاح ایک اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے کروایا تھا اس لیے آپ کی خواہش تھی کہ وہ قائم رہے۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو اللہ کا خوف دلاتے ہوئے ارادۂ طلاق سے روکنے کی کوشش کی (الاحزاب: ۳۷) یہ آپؐ کا حکم نہیں بلکہ ناصحانہ مشورہ تھا جسے قبول کرنے یا نہ کرنے میں وہ آزاد تھے۔ حالات کے دباؤ کی بنا پر وہ خود کو اس پر آمادہ نہ کرسکے اور انھوں نے طلاق دے دی۔

حضورؐ کا حضرت زینبؓ سے نکاح

حضرت زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ کی دل جوئی کی صورت یہ رہ گئی تھی کہ آپ خود ان سے نکاح کرلیں۔ لیکن آپ کو اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے مخالفین کو فتنہ برپا کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ آپ کے لیے یہ امر بھی پریشانی کا باعث تھا کہ عام مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کا حکم نازل ہوچکا تھا اور اس وقت آپ کے نکاح میں بھی چار ازواج تھیں (اس وقت تک اس حکم سے آپ کو مستثنیٰ کرنے والی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) ان وجوہ سے آپؐ حضرت زینبؓ سے نکاح کے سلسلے میں متردد تھے۔ سورۂ احزاب کی آیت: ۳۷ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ

حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ بالآخر وحیِ الٰہی نے آپ کا یہ تردد ختم کر دیا اور صاف الفاظ میں حکم دے دیا گیا کہ لوگوں کی مخالفت کی پروا کیے بغیر آپ یہ نکاح کریں۔

مخالفین کا فتنہ

اس واقعہ پر عہدِ نبوی میں بھی مخالفینِ اسلام نے فتنہ پھیلانے کی کوشش کی تھی اور بعد میں بھی اس کو بنیاد بنا کر طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے ہیں۔ حضرت زینبؓ سے حضرت زیدؓ کے نکاح پر عہدِ نبوی میں منافقوں اور دوسرے اسلام دشمنوں نے یہ فتنہ برپا کیا کہ ایک آزاد کردہ غلام جو سماجی اعتبار سے فروتر حیثیت کا مالک ہوتا ہے، اس کا نکاح ایک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والی اور حسب و نسب کے لحاظ سے برتر حیثیت کی مالک خاتون سے کر کے اس (خاتون) کے وقار اور عزتِ نفس کو پامال کر دیا گیا ہے۔ پھر جب حضرت زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا تو ان بدباطنوں نے اس کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شر انگیزی کا ذریعہ بنایا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہؓ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے، جو عرب سماج کی معروف روایت کے خلاف ہے۔ حالانکہ دونوں موقعوں پر حضرت زینبؓ کے نکاح سے اسلام کی اہم اور بنیادی تعلیمات کا اظہار ہوا۔

رسول اللہؐ نے جاہلیت کی غلط رسوم کو ختم کیا

اسلام میں عہدِ جاہلیت کی بعض رسوم اور اقدار کو باقی بھی رکھا گیا ہے لیکن اس عہد کے جو تصورات و افکار اور رسوم و اقدار اسلام کے بنیادی احکام اور تعلیمات سے ٹکراتے تھے ان کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ نکاحِ زینبؓ کے ذریعہ بھی بعض جاہلی تصورات اور رسوم کی اصلاح کی گئی۔

عرب معاشرہ میں غلاموں اور موالی (آزاد کردہ غلاموں) کو سماجی حیثیت سے پست مقام حاصل تھا۔ اسلام نے انسانوں اور انسانوں کے درمیان سارے امتیازات

باطل قرار دیے اور اعلان کر دیا کہ تمام انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے سب برابر ہیں اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو (الحجرات ۔۱۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی برسر عام اعلان فرمایا کہ "عربی، عجمی، کالے، گورے، کسی شخص کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر"۔[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غلاموں کے بارے میں لوگوں کے اس تصور میں تبدیلی آئے۔ اسی لیے آپؐ نے باصرار حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کروایا تھا۔

اسی طرح عہد جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ میراث میں اس کا حصہ لگایا جاتا تھا اور دیگر سماجی معاملات میں بھی اس کے ساتھ صلبی بیٹے جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کا منہ بولا بیٹا اگر وفات پا جائے یا طلاق دے دے تو اس کی (سابقہ) بیوی سے وہ نکاح کر سکے۔ اسلام کی نظر میں یہ ایک غلط جاہلی رسم تھی کیونکہ یہ فطری عائلی نظام کے برعکس تھی۔ منہ بولے بیٹے صلبی بیٹوں کے مثل نہیں ہو سکتے۔ قرآن کہتا ہے:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ	اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں
(الاحزاب: ۴)	کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔

حضرت زیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ جب انھوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو اس غلط جاہلی رسم کی اصلاح کا ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت کی کہ لوگوں کے اعتراضات اور شرانگیزیوں کی پروا کیے بغیر حضرت زینبؓ سے نکاح کریں تاکہ آپ کے عمل کے ذریعہ اس غلط رسم کی اصلاح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا	پھر جب زید اس سے اپنی حاجت
زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى	پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون)
الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ	کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے

---

[1] مسند احمد ۵/ ۴۱۱

اَدْعِيَا ئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا	منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔
(الاحزاب : ۳۷)	

ایک اور اعتراض

بعض لوگوں نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ایک افسانہ یہ تراشا ہے کہ نعوذ باللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہو کو دیکھ کر اسے دل دے بیٹھے تھے اور اس پر ریجھ گئے تھے۔ سعادت مند بیٹے کو کسی طرح اس تعلقِ خاطر کا علم ہو گیا تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد باپ نے بہو سے شادی رچالی۔

اس اعتراض کی غیر معقولیت

یہ کہنا بھی سراسر بے بنیاد ہے۔ حضرت زینبؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحب زادی تھیں۔ بعثت سے سترہ سال قبل ان کی ولادت ہوئی تھی۔ ان کا بچپن اور جوانی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ وہ ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھیں۔ انھوں نے اپنے بھائی عبد اللہ بن جحشؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تھی[1]۔ اگر حضورؐ کے دل میں واقعی حضرت زینبؓ کی طرف میلان ہوتا تو حضرت زیدؓ کے لیے نکاح کا پیغام دینے پھر باصرار اس رشتے کو طے کرانے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کے بجائے آپ شروع ہی میں ان سے نکاح کر سکتے تھے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو ان کے گھر والے بخوشی تیار ہو جاتے اور اسے اپنی سعادت سمجھتے۔

خلاصۂ کلام

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی کے دیگر پہلوؤں کی طرح اس کا ازدواجی پہلو بھی تابناک اور مثالی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر ذاتِ نبوی پر نفسانیت کا الزام لگانا سراسر تعصب اور جہالت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دین کے استحکام میں مدد لی گئی اور اس کی تعلیم و تبلیغ کے لیے انھیں واسطہ بنایا گیا۔ رضی اللہ عنھن و رضین عنہ

---

[1] اسد الغابۃ ۱۲۵/۷ - سیرت ابن ہشام ۸۱/۲